رجسٹرڈ ایل نمبر [illegible]

جون سنہ ۱۹۲۴ء

جلد [illegible] نمبر [illegible]

مسیحی

لاہور

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی - اخلاقی - علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل ریارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف

(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی۔اے بی ٹی جائنٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
(۱)	تصویر	
(۲)	مقدرت سیکرٹری نیشنل کرسچن کانفرنس	۱
(۳)	پادری طالب الدین مرحوم کے زندگی کے حالات از ایڈیٹر	۴
(۴)	کیوں اور کس لئے	۱۳
(۵)	مشن کالجوں اور سکولوں میں [illegible]	۱۷
(۶)	کیا مغربی اقوام مسیحی ہیں - از دین ایل صاحب مترجمہ - ڈاکٹر ناصر صاحب	۲۱
(۷)	جاپانی عورتیں	۲۳
(۸)	مسیح کی آمد آمد	۳۰
(۹)	اخبار	۳۱

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل ریارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول - لاہور ہونی چاہیئے

باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر [illegible] خان - بی۔اے بی۔ٹی منیجر - رنگ محل مشن سکول - لاہور ... آنی چاہیئیں

فی پرچہ ۴/

قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک [illegible]

فرمایش کے ساتھ مسیحی کا حوالہ ضرور دیا جائے

اشتہار کُتب

آداب مجلس فرنگ:۔ انگریزوں کے آداب معاشرت۔ ملاقات۔ شادی۔ خوراک۔ لباس تحائف وغیرہ کے طریق مجلد صفحہ ۱۴۶ قیمت ۱۲؍

اثمار شیرون:۔ اہل اسلام پر مسیحیت کی صداقتوں کے ثبوت اور انکے اعتراضات کی تردید۔ مسیحی زبردست تصنیف۔ صفحہ ۲۷۰ قیمت ۴؍

آوکیس:۔ رومی قیصروں کے ظلم وستم رانی کا نہایت دلچسپ اور پُر درد فسانہ بطرز ناول صفحہ ۲۲۲ قیمت ۱۲؍

آئینہ دل:۔ دل کو ہر طرح کے خیالات فاسدہ سے پاک وصاف کر کے خدا کا مسکن بنانیوالی کتاب باتصویر صفحہ ۱۲؍

آئینہ اسلام:۔ اہل اسلام کے ۱۵۰ فرقوں اور انکے عقاید مختلفہ کا بیان۔ ہندوؤں کے کام کی چیز ہے صفحہ ۱۶۰ قیمت ۱؍

ایک چینی سیلح:۔ ہیوں شیانگ چینی کا سفرنامہ ہندوستان عجیب وغریب حالات کا خزانہ ہے صفحہ ۱۱۰ قیمت ۴؍

بن حور یا مسیح موعود کی داستان:۔ اگر مسیحی ناول کا مطالعہ کرنا ہو تو اسے خریدیں۔ صفحہ ۲۹۶ ایک روپیہ ۲؍ سالم ایک روپیہ ۶؍ کپڑا ایک روپیہ آٹھ آنے ۸؍

چھپا ہوا خزانہ:۔ محمدیوں کے لئے فارقلیط۔ مسیح کی بادشاہت۔ تثلیث اور عدم تحریف اناجیل کا بیان کہانی کے طور پر۔ صفحہ ۵۶ قیمت ۳؍

ڈاکٹر جیکل و میاں حمید:۔ ایک دو جسموں والے ریاکار شخص کی زندگی کا عبرت آموز مرقع۔ صفحہ ۹۲ قیمت ۴؍

دعوۃ المسلمین:۔ قرآن کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر بائبل پڑھنا فرض ہے صفحہ ۳۲ ؍

المشتہر

سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور



The Late Rev. Talib-ud-Din, B.A.

یا مسیح

معذرت

معزز ناظرین ومکرم شائقین کی خدمت میں دست بستہ گزارش ہے کہ دجوہات چند در چند اور بالتخصوص مالی وجوہات کے باعث مسیحی شائع نہ ہوسکا۔ خریداران اخبار سے سال بھر کا چندہ لیا گیا تھا اور حتی الوسع کوشش کی گئی کہ مسیحی جاری رہے مگر ۶ ماہ بعد چار و ناچار بند کرنا پڑا۔ اور چھ مہینے کا چندہ اخبار کے ذمہ رہا۔ اور شائقین اخبار کو مایوسی ہوئی سو الگ ہم اس تقصیر خدمت پر بہت نادم ہوکر خواستگار معافی ہیں۔ اور امیدوار ہیں گذشتہ چھ ماہ کا چندہ از راہِ کرم اخبار مسیحی کو معاف کر دیا جاویگا۔ اور اب کا نمبر جون ۱۹۲۴ء کا جن اصحاب کو وی پی بھیجا جائیگا وہ بخوشی و فراخ دلی اسکو منظور فرمائینگے چونکہ مسیحی کا منشا۔ قوم کی بہبودی اور مسیحوں میں رشتہ اتحاد اور ذریعہ ملاقات کا قائم کرنا ہے اس لئے اس کا جاری رکھنا ہمارا فرض اولین ہے؛ دیگر گزارش یہ ہے کہ اخبار مسیحی کا انتظام از سرِ نو خاطر خواہ کیا گیا ہے اور انشا اللہ اخبار باقاعدہ خریداران کو پہنچتا رہیگا۔ اور آئندہ کسی قسم کی کوتاہی ظہور میں نہ آئیگی۔

شائقین یہ سنکر بہت خوش ہونگے کہ اخبار ہذا کے لئے نئے لائق و تجربہ کار اور نامی ایڈیٹران مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک تو مسٹر کے۔ ایل رلیا رام ہیڈ ماسٹر مشن سکول لاہور ہیں۔ جو مسیحی قوم کے مانے ہوئے لیڈر اور بہی خواہ ہونے کے علاوہ نہایت عالم اور ناقدِ سخن ہیں۔ آپ کی تصنیفات اظہر من الشمس ہیں۔ اور مدت تک ممبر کمیٹی لاہور اور گورنر بہادر کی لیجسلیٹو کونسل میں مسیحیوں کے نمائندے رہ کر قوم کو بہت فائدہ پہنچا چکے ہیں۔ تمام پنجاب کیا ہندوستان ان کی حسن خدمات کا قائل ہے۔ دوسرے جائنٹ ایڈیٹر مسٹر آئیون جیکب۔ بی۔ اے آنرز۔ بی۔ ٹی۔ ایف۔ اے۔ ایل مقرر کئے گئے ہیں۔ جو مختلف مسیحی اور غیر مسیحی اخبارات کی نامہ نگاری کر چکے ہیں۔ اردو اور فارسی میں خاص مہارت رکھتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ دلی کے رہنے والے ہیں و اہل زبان ہونے کے باعث ناظرین اخبار کو مزید فائدہ یہ بھی پہنچیگا کہ اخبار مسیحی کی اردو مستند اور ٹکسالی ہوگی۔ مسیحی اخبار اکثر زباندانی کی غلطیوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لوگ انہیں

پڑھنے سے ڈرتے ہیں۔ اشعار میں سکتے غلط محاورات جن کے پڑھنے سے بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوتا ہے +

ہم اپنے ناظرین اور شائقین دیرینہ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ سال بھی انکو تمام سال برابر پہنچتا رہیگا۔ اور ہمارے کرمفرماؤں کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ رہیگا۔ بلکہ پچھلے تغافل کی بھی پوری پوری تلافی کردی جائیگی۔ ایڈیٹران رسالہ اپنے اوپر اس امر کی ذاتی ذمہ داری لیتے ہیں چاہے انہیں اپنی گرہ سے بھی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے کہ سال بھر خدا نے چاہا ضرور رسالہ باقاعدہ خریداران اخبار کی خدمت میں پہنچتا رہیگا شائقین کو محظوظ کرنے کیلئے علاوہ مطالب و مضامین مذہبی۔ علمی۔ تمدنی سیاسی وغیرہ کے کئی دلچسپ اور مفید سلسلے اس اخبار میں شروع کئے جائینگے۔ ایک سلسلہ جو پہلے نمبر سے شروع کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ مشاہیر قوم ہوگا۔ جن میں اُن بزرگان کلیسیا کا تذکرہ ہوگا جو مسیحی قوم کی خدمت کرنے کے باعث ہماری قوم کے پیارے ہیں۔ ایک قوم کی سب سے بڑی جائداد اور میراث اس قوم کے نیک بزرگاں اور رشید فرزنداں ہی ہوسکتے ہیں اور قوم کا فرض ہے کہ ان کو فخر اور عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور ان کی خدمت اور احسانات کو یاد رکھے۔ بلکہ سونے کے حروف میں تختۂ دل پر مرقوم کرے۔ تاکہ نوجوان اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ روحانی فائدہ اُٹھائیں۔ اور قوم کا بول بالا ہو۔ مندرجہ ذیل مشاہیر قوم کے علاوہ ہم اُن بزرگوں کے احوال بھی درج اخبار کرینگے جن کے متعلق ہمارے ناظرین اور شائقین ارشاد فرمائینگے۔ اور ہم بڑے مشکور ہونگے۔ اگر جو صاحب اس قسم کی فرمائش کریں وہ خود ہمیں اُن بزرگ کے حالات زندگی مہیا کردیں۔ کوئی سوانح عمری اگر دستیاب ہوسکتی ہو تو اس سے اطلاع دیں یا جن صاحب سے یہ واقعات معلوم ہوسکتے ہوں اُن کا ٹھیک ٹھیک پتہ ہمیں تحریر فرمادیں۔ تاکہ ہم خود اُن سے ضروری معلومات حاصل کریں۔

سلسلہ مشاہیر قوم میں بلا لحاظ قومیت ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مسیحی بزرگان کا حال درج کیا جائیگا۔ جس میں نیک اور نامور خواتین کا ذکر بھی ضرور شامل ہوگا۔ اور اس بات کی کوشش بھی کی جائیگی کہ جن بزرگ کا حال درج کیا جائے اُن کی تصویر بھی زینت ورق افروزی رسالہ ہو۔ مشاہیر قوم جن کا ہم ذکر کریں گے۔ اُن کے نام ناظرین کی دلچسپی کیلئے درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) پادری طالب الدین۔

بی۔ اے پاسٹر نو لکھا۔ (۲) رائے بہادر مسٹر میا داس۔ (۳) پادری عماد الدین (۴) پادری ٹامس ہاول۔ (۵) مرحوم پادری دینا ناتھ والد بزرگوار ڈاکٹر دینا ناتھ پاسٹر سی۔ ایم۔ ایس لاہور۔ (۶) ڈاکٹر برخوردار خاں۔ (۷) منصف شیر سنگھ (۸) پادری گولک ناتھ۔ (۹) بابو ریا رام وکیل۔ (۱۰) پادری صادق مسیح۔ (۱۱) مسٹر عبداللہ آتھم۔ (۱۲) ماسٹر چندو لال۔ (۱۳) پادری جے۔ ایل ٹھاکر داس (۱۴) دیوان صاحب دیال۔ (۱۵) پروفیسر یسُوع داس رام چندر۔ (۱۶) مسٹر کالی چرن چیٹرجی۔ (۱۷) پادری فورمن صاحب۔ (۱۸) پادری نیگ سن صاحب (۱۹) پادری رابرٹ کلارک صاحب۔ (۲۰) پادری ہاپڈ صاحب (۲۱) مسٹر بی این متر۔ (۲۲) مسٹر فیلبوس۔ (۲۳) بابو ایشان چندر سنگھا۔ (۲۴) مسٹر ایس۔ این متر۔ (۲۵) جج لوئس اور (۲۶) پادری وارث الدین اور دیگر اصحاب

دوسرا سلسلہ۔ کیوں اور کس لئے۔ میں ان باتوں کی وجوہات کا ذکر ہوگا۔ جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ کیوں در کسلئے

تیسرا سلسلہ جو اس نمبر سے شروع ہوگا۔ اس میں مسیحی خواتین کی خاص دلچسپی کے لئے تمام دنیا کی قوموں کی عورتوں کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائیگا اور مؤدبانہ درخواست کیجاتی ہے کہ مسیحی بہنیں رسالہ ہذا کو قلمی امداد دیکر ممنون فرمائینگی۔ کیونکہ مسیحی کا ایک کالم اس غرض کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔

جملہ سے عموماً مسیحیاں اور مسیحی اہل قلم و نامہ نگاران سے خصوصاً التماس کی جاتی ہے کہ رسالہ مسیحی کو مالی اور قلمی امداد دیکر مسیحی کے سر پر کامیابی کا سہرا رکھیں۔ کیونکہ اس نوازش بغیر ہمارا مسیحی کی اشاعت کا بیڑا اُٹھانا آسان کام نہیں۔ بقول شاعر۔

کھلتا ہے اکیلے سے کہیں بابِ قبول ——— دو ہاتھ ملاؤ کہ دعا پوری ہو

سلسلہ مشاہیر قوم

تمہید

(۱) مرحوم پادری طالب الدین صاحب بی۔ اے پاسٹر نولکھا چرچ لاہور
ہم آج کے نمبر میں پادری طالب الدین صاحب کے حالات زندگی ہدیۂ ناظرین
کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم پادری صاحب کا اس لئے ذکر کرتے ہیں۔
کہ پنجاب میں بہت اصحاب ایسے ہیں جو اُن کی زندگی سے بخوبی واقف ہیں۔ اور پرانے
دوستوں کو نئے لباس میں پہچاننا خالی از دلچسپی نہیں۔ دوسرے پادری صاحب
کی قابلِ تحسین کلیسیائی خدمات اور احسانات ہم کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے
ان ہی بزرگ کا ذکرِ خیر کریں۔ خصوصاً اس لئے کہ قوم میں آپ کی وہ زبردست شخصیت
ہے کہ آپ کے حالات زندگی کو پڑھ کر نوجوانان کے دلوں میں حوصلہ اور جذبہ
پیدا ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا ✦

پیدائش

پادری صاحب ۱۸۶۶ء میں بمقام جگراواں ضلع لودھیانہ میں پیدا ہوئے
آب و ہوا کا انسان کی طبیعت پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ لدھیانے کے علاقے میں
پیدا ہوئے۔ اس لئے اپنے خداوند کے دلیر سپاہی تو آپ سے آپ ہونا ہی تھا
پھر جگراواں میں پیدا ہوں۔ تو جگ راؤ کیوں نہ ہوں۔ دنیا میں نیک اور بزرگ
نام کیوں نہ چھوڑ جاتے۔ جگ کے معنے ہندی میں مہمان نوازی کے بھی ہیں
اس لئے مہمان نوازی کی صفت لازم تھی۔ شاید جگراواں میں پیدا ہونے ہی
کا اثر تھا۔ کہ پادری صاحب بڑے بھاری مہمان نواز تھے۔

ابتدائی زندگی اور بپتسمہ ۱۶ سال کی عمر میں ۴ مئی ۱۸۸۲ء میں بمقام جگراواں
پادری احمد شاہ صاحب کے دست مبارک سے بپتسمہ پایا

کچھ دن بٹالے سکول میں رہے۔ پھر لدھیانے میں چھ سال رہ کر ۱۸۸۸ء میں انٹرنس پاس کیا۔ چار سال فورمن کرسچن کالج میں اپنی لیاقت اور ذہانت کے باعث بڑی عزت اور آبرو پائی۔ فارسی اور مشرقی علم ادب کا شوق اور مہارت پیدا کی۔ ۱۸۹۲ء میں بی۔ اے پاس کرتے ہی ۲۴ مئی کو شادی کا ڈپلوما ملا۔ ۲۴ مئی ان کے لئے بڑا ابھاگوان دن تھا۔ کہ بپتسمہ شادی اور لاہور کی پاسٹری انہیں اُسی تاریخ کو ملی۔ ملکہ وکٹوریا کا جنم دن بھی ۲۴ مئی ہی کو ہوتا ہے۔ شاید یہ امر بھی اُن کی وکٹوریس یعنی کامیاب زندگی میں ضرور کچھ نہ کچھ دخل رکھتا ہو+

کلیسیائی خدمت

اگست ۱۸۹۲ء میں آپ سہارن پور کے علم الٰہی کے مدرسے میں داخل ہوئے اور تین برس تعلیم حاصل کر کے ۱۸۹۵ء میں اُسی سیمنری میں پروفیسر کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ شمالی ہندوستان میں آپ سب سے پہلے بی۔ اے تھے۔ جنہوں نے اُس زمانے میں انجیل شریف کی خدمت اختیار کی جب کہ گریجویٹوں کو بڑے بڑے سرکاری عہدے خود بُلا بُلا کر دیئے جاتے تھے۔ پادری صاحب کے دوستوں نے جو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر معمور تھے ہر چند بارہا انہیں سمجھایا۔ مگر پادری صاحب نے مسیح کی خدمت کو دنیوی حکومت اور مسیح کی غلامی کو دنیا کی آزادی اور عزت اور حشمت پر ترجیح دی اور اُس کے نام کی خاطر مراتب دنیوی کو حاصل کرنے کے قابل چیز نہ سمجھا۔ اور مسیح کی دُلہن کو پاکیزگی اور روحانیت کے زیورات سے سجانے میں مشغول رہے۔

۱۸۹۹ء میں نولکھے کے پاسبان مقرر ہوئے۔ ۱۸½ برس نہایت جانفشانی اور دلچسپی کے ساتھ کام سرانجام دینے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۱۷ء میں بمقام لاہور رحلت فرمائی۔ جگ راؤں سے آئے تھے۔ جگ رائے کے جاجہان ہوئے

کہتے ہیں طالب آج جہاں سے گذر گیا ::: حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

نولکھا چرچ کی پاسٹری کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ مگر انہوں نے جس خوبی اور خوش اسلوبی سے اس اہم کام کو نباہا۔ یہ اُنہی کا حق تھا۔ بیماری کی حالت میں

بھی اُن سے اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی ظہور میں نہ آئی۔ عین بخار میں بھی وعظ نہ چھوڑتے تھے۔ جب دوست آشنا اُن سے کہتے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ ہم موجود ہیں۔ تو ہنسکر کہتے۔ کیا ہوُا آپ صاحبان کو میری وجہ سے مفت تکلیف ہوتی اللہ اللہ ایسے صابر تھے۔ کہ بیماری کی شکایت تک زبان پر نہ لاتے تھے۔ دورے پر دورے پڑتے مگر مجال کیا کہ دورے کا کام بگڑنے دیتے۔ گاؤں گاؤں جاتے اور کلیسیا کی عمارت مستحکم بناتے جاتے تھے۔ استقلال کا یہ حال تھا کہ انتقال سے ایک ہفتہ پیشتر گرجے میں بڑے دھوڑتے سے وعظ فرمایا۔ کسی کو سان گمان بھی نہ گزرا کہ وُہ ہم سے یوں دفعتہً چھن جائیں گے +

اوصاف

نوعیت اور زندہ دلی

پادری احمد شاہ صاحب بڑے فخر اور ناز سے کہا کرتے ہیں کہ ایک بڑا کام مَیں نے دنیا میں کیا ہے وہ یہ کہ طالب الدین جیسا آدمی دنیا میں پیدا کر دیا۔ میری عمر بھر کی کمائی اور جائداد طالب الدین ہے اور واقعی اگر ذرا نظرِ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کوئی کلام نہیں۔

پادری صاحب کی طبیعت میں عجیب نوعیت تھی۔ وہ بچّوں میں بچے۔ لڑکوں میں لڑکے۔ بڑوں میں بڑے۔ بزرگوں میں بزرگ بن جاتے تھے۔ غرضیکہ اپنی ہر ادا سے ہر شخص کا دل ہاتھوں میں لے لیتے تھے۔ نوعیت ایک بڑی اعلےٰ صفت ہے۔ ان کی تمام کامیابی کا راز یہی صفت تھی۔ جو آجکل لوگوں میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ مسیحی کو چاہیئے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترقی اور کمال درجے تک نشو و نما کرے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ پادری کو ہنسنے کھیلنے مذاق اور دل لگی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے اکثر پادری صاحبان بڑے بد مزاج۔ روتی صورت۔ رُوکھے اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ زاہد خشک مغز سے بے ریا ہنس مکھ ہزار بار بہتر ہے۔ کہ خود خوش رہتا ہے اور دوسرے دل کو خوش رکھتا ہے۔ یہی خوبی تھی جس کے باعث پادری صاحب سے بچّے سے

لیکر بوڑھے تک مل کر بڑی خوشی حاصل کرتے تھے۔ مگر کمال یہ تھا۔ کہ ان باتوں کے باوجود اعلےٰ اخلاقی اور مسیحی اصول ٹوٹنے نہ پاتے تھے۔ جس مذاق کا آدمی اُن کے پاس جاتا۔ خوش ہوکر آتا۔ روتوں کو ہنسا دیتے تھے۔ جو اپنی تکالیف لیکر اُن کے پاس جاتا اُس کا اس طور سے غم غلط کرتے کہ تسلّی اور اطمینان قلبی پا کر گھر لوٹتا۔ ؎ ہنستے جاتے تھے جو یاں روتے ہوئے آتے تھے ٭ اوروں کی تکلیف سے ان کو سخت پریشانی ہوتی تھی۔ مگر جو رنج اور غم کا مریض اس روحانی ڈاکٹر پاس جاتا۔ یہی کہتا۔ ؎

عیسےٰ دمبنے جب نہیں ایک بھی بیمار ٭ اب درد کو ڈھونڈو تو ملے گا نہ دوا کو

خوش طبعی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زندہ دلی کے پتلے تھے مذاق اور لطیفہ میں راجہ بیربل اور ملا دو پیازے کو چت کر دیا تھا۔ ہر مجلس کی زینت تھے۔ وہ نہ ہوتے تو محفل کا رنگ پھیکا رہتا۔ لوگوں کو مزہ نہ آتا۔ پوچھتے۔ کیوں بھئی آج پادری طالب الدین نہیں آئے۔ جلسوں میں نئی رُوح پھونک دیتے تھے۔ اور اتنا ہنساتے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے۔ لڑکوں سے چہلیں۔ برابر والوں سے دو دو چونچیں لڑتے۔ بزرگوں کو دیکھ کر ایک دم ایسے سنجیدہ بن جاتے کہ جو نہ ہنستا وُہ بھی کھل کھلا کر ہنس پڑتا۔ سچ ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے ۔ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

آپ کو علم موسیقی کا بڑا شوق تھا۔ گانے اور ستار بجانے میں تان سین کی رُوح کو شاداب کر دیتے تھے۔ دوسروں سے سنتے اور آپ سناتے تھے۔ ان کی بیسیوں مسیحی غزلیں اور گیت عیسائیوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور گرجوں میں لوگ جھوم جھوم کر گاتے ہیں ٭

ہمدردی

باوجود اتنی خوش طبعی کے بڑی ہمدرد طبیعت بھی پائی تھی۔ اوروں کی مصیبت سُن کر گھبرا جاتے تھے۔ اور ایسے بے چین ہوتے کہ جب تک تکلیف رفع نہ کر دیتے دم نہ لیتے۔ ہم نے بار ہا اُن کو لوگوں کی مصیبتیں سُن سُن کر آنسو بہاتے اور دست دعا سے مدد پہنچاتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ نوکروں تک کے دُکھ درد کی برداشت کی تاب نہ لاتے۔ غریبوں کے حال پر بہت

ترس کھاتے۔ بیماروں کی وہ تیمارداری کرتے کہ پلنگ کے پاس دن دن بیٹھے رہتے۔ راتوں کو پلک نہ جھپکاتے۔ حالانکہ خود اُن کی صحت بہت اچھی نہ رہتی تھی۔ دوستوں اور مسیحیوں کی خوشی اور رنج میں شریک ہو کر بڑا حصّہ لیتے۔ غرضیکہ خداوند مسیح کے قول کے پورے پابند ہوتے کہ ہنسنے والوں کے ساتھ ہنسو اور رونے والوں کے ساتھ آنسو بہاؤ +

حلم اور صلح پسندی اور منصف مزاجی

حلم اور صلح پسندی اُن میں اس درجے کی تھی کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ کسی ادنےٰ ملازم پر بھی خفا ہو جاتے۔ تو تھوڑی دیر بعد اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتے۔ بلکہ معافی مانگنے سے بھی ہرگز نہ شرماتے۔ اگر کسی دوست سے رنجش ہو جاتی تو صبح کا غصہ شام تک رہنے نہ دیتے۔ غلط فہمی دُور کئے بغیر چین نہ کرتے۔ ایک دفعہ کرسچن سیوچول پراویڈنٹ فنڈ کے ڈائرکٹروں کی میٹنگ تھی ایک انگریز صاحب سے دو بدو ہو گئی۔ جلسہ برخاست ہُوا۔ ایک دوست نے کہا چلئے۔ اُنہوں نے کہا ذرا ٹھیریئے۔ صاحب سے باتوں باتوں میں دو دو باتیں ہو گئی ہیں۔ مبادا اُن کے دل میں کسی طرح کی رنجش ہو۔ دونو برابر کی حیثیت کے تھے۔ مگر انہوں نے چلنے کا نام نہ لیا تاوقتیکہ آپس میں صُلح صفائی نہ ہو گئی۔ دشمنی اور مخالفت کو بھولنے والے تھے۔ معاف کرکے مخالفت اور کینہ دل میں نہ رکھتے۔ مگر صداقت کے اظہار میں بڑے صاف گو اور کھڑے تل دلیر تھے۔ ملامت کرنے میں بہادر۔ ایسے بے رو رعایت کہ عزیز سے عزیز کو نہ چھوڑتے۔ انصاف پسند ایسے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے دکھا دیتے تھے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی میں حاتم ثانی تھے۔ دشمنوں تک کے لئے گھر کھلا تھا۔ ایک شخص نے آپ کو گھر بیٹھے بڑے گستاخانہ خط لکھے۔ اُسے کچھ دنوں بعد لاہور آنے کا اتفاق ہُوا۔ پر رہنے کو جگہ نہ ملی۔ جس سے غرض مطلب کیا منہ کی کھائی۔ کسی نے پادری صاحب کو اُن کا حال بتایا آپ ایسے بے چین اور از خود رفتہ ہوئے کہ اس شخص سے خود جا کر ملے اور اپنے ہاں لے آئے۔ خوب مہمانی کی۔ شرمندہ احسان کیا۔ بدی کا عوض نیکی سے دیا۔ وہ

نادم ہُوا اور معافی مانگی۔

بادی النظر میں یہ معمولی اوصاف دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آجکل بتائیے ہم لوگوں میں کہاں ہیں۔ گھر پر ٹھیرانا تو بڑی بات ہے گھر پر سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ پانی تک کو نہیں پوچھتے ہاں سرِراہ اگر آنکھ نہ چُرا سکے مل ہی گئے تو بڑے تپاک سے مل لئے اور خیر و عافیت پوچھ لی۔ جیسے بڑے خیر خواہ ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ ہمارے بزرگ پادری طالب الدین ایسے مہمان نواز تھے کہ اگر کوئی کسی وقت آنکلتا جو گھر میں ہوتا فوراً اُس کے سامنے رکھ دینے پر ہی بس نہ کرتے بلکہ بڑا تکلف کرتے۔ آپ نہ کھاتے اُسے کھلاتے۔ اُن کی مہمان نوازی ابراہیم کی مہمان نوازی کی مثال تھی۔ لاچاری سے نہیں بلکہ دل کی خوشی اور فرطِ محبت و مروّت سے کرتے۔ شوق تھا کہ دونوں وقت دسترخوان پر کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہو۔ اسے برکت کا باعث سمجھتے تھے۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا تو کسی نہ کسی کو آدمی بھیجکر بلوا لیتے۔ مہمان نوازی گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اور بے اختیار اُن سے سرزد ہوتی تھی ایکدن پادری واعظ اور سائیں عاشق اللہ امرتسر جا رہے تھے ریل میں کوئی ایک گھنٹے کی دیر تھی۔ پادری واعظ نے کہا چلو اتنے میں طالب سے مل آئیں۔ گھنٹے بھر جی بہلائیں گے تو بڑی کشادہ پیشانی سے ملے۔ کھلے جاتے تھے۔ ریل کا وقت قریب آگیا تو دونو چلنے کو تیار ہوے مگر جانے کون دے۔ بہت مجبور کیا کہ ٹھیرو مگر پادری واعظ اور سائیں صاحب نہ مانے۔ آخر جب چلنے ہی لگے تو پادری صاحب نے کہا خیر جاتے ہو مگر دعا تو کرتے جاؤ۔ اب دعا سے انکار کرنا کس کی مجال تھی۔ پادری واعظ آپ کی چال کو تاڑ گئے اور سائیں صاحب سے کہا۔ بابا یاد رکھنا پریسبیٹرین پادری ہے۔ ریل امرتسر پہنچ جائیگی تو اس کی دعا ختم ہوگی۔ اور یہی ہُوا۔ ریل چلی گئی۔ اور یہاں سجدہ بھی ختم نہ ہُوا۔

مہمان نوازی میں ہمسائے کا حق اول سمجھتے تھے۔ کوئی عمدہ چیز گھر میں پکتی یا باہر سے تحفے کے طور پر آجاتی تو پاس پڑوس والوں کو کبھی نہ بھولتے۔ انکا حقہ گھر پہنچواتے۔ چائے ہر دم تیار رہتی تھی۔ جو تھکا ہارا ماندا آتا۔ گرم چائے پلا کر ایسا سینہ سرد کرتے تھے کہ تازہ دم ہو جاتا +

انکسار اور سادگیٔ ایمان

ایک دن پادری صاحب ایک کتاب ملحدوں کے جواب میں تصنیف کررہے تھے پادری واعظ آئے۔ دیکھکر ہنسی سے کہا میاں کیا فضول کام کررہے ہو تم لوگ جو فلاسفر ہو۔ تمہارے دین اور ایمان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ کہتے ہو خود بھی سمجھتے اور یقین کرتے ہو۔ پادری صاحب نے بڑی تروتازگی سے جواب دیا۔ واعظا زمانۂ موجودہ میں ان یورپین ملحدوں کی تقلید پر ہندوستان کے جوان بے خدا ہوتے جاتے ہیں۔ ضرور ہے کہ الحاد کی جڑوں میں پانی ڈال کر انہیں اکھیڑ کر رکھ دیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں یا نہیں۔ اپنے واسطے تو صرف میں اس قدر جانتا ہوں کہ یسوع مسیح گنہگاروں کے بچانے کو دنیا میں آیا۔ اور ان میں سب سے بڑا گنہگار میں ہوں۔ میرے لئے تو مسیح یسوع ہی بس ہے۔ یہ جواب اُن کی زندگی میں عملاً پایا گیا۔ باوجود فلاسفر ہونے کے ایسا سادہ ایمان مسیحی کے واسطے کافی اور شافی ہے۔ خواجہ کے ہم جماعت وکالت اور ای۔ اے۔ سی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ اور اگر وہ چاہتے تو ضرور بہ آسانی کوئی بڑا منصب پاتے۔ مگر انہوں نے مسیح کے لئے باوجود دوستوں کے اصرار کے مسیحی پاسٹری کے غریبانہ اور دقت طلب کام کو پسند کیا۔ جب پروفیسر سراج الدین صاحب مشرف بہ مسیحیت ہوئے تو انہوں نے اپنے قلم معجز رقم سے یہ حروف انہیں تحریر کیئے۔ کہ موسیٰ نے فرعون کی بیٹی کا لڑکا کہلانے کی نسبت مسیح کے لوگوں کے ساتھ دکھ اٹھانا زیادہ پسند کیا۔ جیسے ہمارے خداوند نے خدا ہو کر خداوندی کو ہماری خاطر قبضے میں رکھنے کے قابل چیز نہ سمجھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بزرگ

ہمارے لئے ایک ابدی میراث چھوڑ گئے ہیں۔ وُہ کیا۔ وُہ ان کی زندگی کی مثال خود انکاری اور فروتنی۔

علم کا شوق ان کو شروع سے آخر تک رہا۔ اچھی تحریر اور کلام پر فدا ہو جاتے پادری اکبر مسیح کے بن دیکھے عاشق ہو گئے تھے۔ ہر وقت ان کی تعریف کیا کرتے اور آگرہ میں جب عالمگیر کرسچن اینڈیور کا جلسہ منعقد ہوا تو آپ اُن سے بڑے تپاک اور خوشی سے بغلگیر ہوئے۔ علمی مشغلہ اور مسیحی خدمت کو مرتے دم تک نہ چھوڑا۔ ان کی علمی لیاقت اور دینی قابلیت کا لوہا کیا مسیحی کیا غیر مسیحی سب مانتے تھے۔ اور عقل سلیم اور رائے صائب رکھتے تھے۔ اپنی تصنیفات سے مسیحی لٹریچر میں نئی جان ڈال گئے۔ اور قابل تعریف اضافہ کیا۔ اور خدا کے نہ ماننے والوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ بیسیوں کتابیں خود تصنیف کیں سینکڑوں کتابوں کا ترجمہ کیا۔ مسیحی اردو لٹریچر کی تقریباً ۲۵ تیس فی صدی کتابیں آپ ہی کے ہاتھ سے نکلیں۔ بہت سی کتابوں کا ریویو لکھا۔ صدہا آرٹیکل اخباروں میں دیئے۔ جن سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نور افشاں اور اخبار مسیحی کی وُہ حمایت کی کہ قلم توڑ دیئے۔ سکاٹ کے مشہور ناولوں کا ترجمہ کیا۔ لیمبز ٹیلز فروم شکسپیر کو ہندوستانی جامہ پہلے پہل انہوں نے ہی پہنایا۔ علمی مذاق سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ غزلیں اور گیت لکھے جو ایسے مقبول ہوئے کہ اب تک لوگ گاتے اور سراہتے ہیں۔ آپ کی پنجابی غزل "آیا عیسیٰ یار ساڈے پاس" کو کون نہیں جانتا۔

خانگی زندگی

بہت لوگوں کو ہم دور سے اچھا خیال کرتے ہیں مگر غور سے وہی ڈھاک کے تین پات نظر آتے ہیں۔ نیک آدمی کے دو معیار ہیں بیوی بچوں سے پوچھو خاندان پر اس کا اثر دیکھو۔ یا یار دوستوں اور ہمسایوں سے دریافت کرو۔ اگر ہمسائے اور گھر والے اچھا کہیں تو آنکھ بند کرکے اچھا سمجھو ورنہ دور کے ڈھول سہاونے۔ لاہور کیا سارا پنجاب اب تک پادری صاحب کی تعریفوں سے گونج رہا ہے۔ ایک ایک کی زبان پر اُن کی تعریف ہے۔ ؎

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو ۔۔۔ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

پادری صاحب انجیل پر صدق دل سے ایمان رکھنے والے اور عمل کرنے والے

تھے۔ نیک ہادی عمدہ صلاح کار۔ غمخوار دوست۔ نیک خاوند۔ اور اچھے باپ تھے۔ اپنے بیوی بچوں پر جان دیتے تھے۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ افسوس کہ لاہور میں وُہ اکثر بیمار رہتے تھے۔ دمہ کا عارضہ تھا اکثر دورہ اٹھا کرتا تھا۔ اور بہت تنگ کرتا تھا۔ لاہور کی آب و ہوا موافق نہ تھی۔ مشن نے ہوشیارپور بھیجنے کا انتظام کیا اور ترقی پر بھیجنا چاہا۔ ڈاکٹر ینگ اور دیگر احباب نے صلاح دی کہ چلے جاؤ۔ مگر نہ مانے کہا۔ اپنی صحت کا فکر کروں کہ اولاد کا بھلا دیکھوں۔ ہوشیارپور رہ کر ان کی تعلیم کا کیا انتظام کرونگا۔ وہاں سکول ہی نہ کالج۔ ان کی اعلےٰ تعلیم کا انتظام ناممکن ہوگا۔ آدھی زندگی قبول کی پر بال بچوں کا نقصان گوارا نہ ہوُا۔ کاش سب مسیحی باپ اس خیال کے ہوں۔ خانگی دعا کے بڑے قائل تھے۔ آندھی جائے مینہ جائے روزانہ دعائیں ناغہ نہ پڑنے دیتے۔ اور بڑے بڑے عقدے اسی منتر سے حل کرتے تھے۔ بیوی بھی خدا رکھے ایسی نیک بخت ملیں کہ ہر کام میں اپنے خاوند کا ہاتھ بٹایا۔ اور جیسا کہ انجیل میں حکم ہے اپنے خاوند کو خداوند سمجھا۔ خدمت اطاعت فرمانبرداری اور وفاداری پوری پوری کی۔ پاسٹرائن ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اگر ایسی نیک اور دیندار مسیحی بی بی ان کی رفیق زندگی نہ ہوتیں تو شاید پاسٹری کے کام میں جو کامیابی انہیں حاصل ہوئی ہرگز دستیاب نہ ہوتی۔ جس کو دعا اور نیک بیوی جیسی دو نعمتیں مل جائیں اسے اور کیا چاہئے۔ یہ دو چیزیں ہر مرض کی دوا ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنی آخری بیماری میں اگرچہ اس قدر تکلیف میں تھے۔ کہ ساری ساری رات سارا سارا دن بیٹھ کر نکالتے مگر خوشی اور اطمینان ان کو ہر وقت رہتا۔ اور خوش مزاجی اور مذاق نہ چھوٹتا۔

نیک کی اولاد بھی نیک ہی ہوتی ہے باپ کی صفات بچوں میں آتی ہیں۔ گو آپ کی خوش مزاجی اور نیک دل سے حصہ ہر ایک نے پایا ہے۔ مگر دو کو مہمان نوازی کا حصہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحب زادی گریس وارث ویسی ہی مہمان نواز ہیں۔ سال میں کئی بار کل لاہور کے عیسائیوں کی دعوت کرتی ہیں۔ بن بلائے مہمان تک کی خوب آؤبھگت ہوتی ہے۔ مسیحیوں کو اپنے گھر اتارتی اور بڑی

خاطر مدارات کرتی ہیں۔ پادری صاحب کے فرزند ارجمند نظیر طالب الدین نے اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلکر مسیح کی خدمت کے لیئے اپنے آپ کو مخصوص کیا ہے۔ آپ اپنے باپ کی طرح لائق گریجویٹ ہیں۔ نکتہ سنجی اور ظرافت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ امید ہے کہ اپنے والد بزرگوار کا بہت نام روشن کرینگے۔

مسیحی کی دعا ہے کہ الٰہی اس خاندان کو شاد اور آباد رکھ۔ اور اپنے طالب کے صدقے ان کا محافظ ونگران رہ۔ آمین +

کیوں اور کسلئے

(۱) عورتیں کیوں گرجے میں سر ڈھاک کر بیٹھتی ہیں۔

مقدس پولوس نے کرنتھیوں کے خط میں صاف حکم دیا ہے۔ کہ مرد دعا میں سر پر کوئی چیز ٹوپی یا پگڑی کی قسم کی پہن کر نہ بیٹھیں۔ اور عورتیں اپنا سر ڈھانک کر رکھیں۔

مقدس پولوس کے زمانے میں خیال کیا جاتا تھا کہ جب تک عورت کسی قسم کی اوڑھنی سر پر اوڑھے ہوئے نہ ہو اُسے باہر گلی کوچوں میں نکل کر پھرنا زیبا نہیں۔ عورت کا تاج یا عزت اُس کے بال ہیں جس پر سوائے اس کے خاوند کے کسی نامحرم شخص کی نگاہ پڑنی نہیں چاہیئے۔ اس لئے کلیسیا میں ننگے سر آنا جہاں مرد اور عورتیں ہوتی تھیں مشرقی تہذیب میں سخت بےغیرتی پر محمول کیا جاتا تھا

(۲) گرجوں میں گھنٹے کیوں بجتے ہیں۔

مذہب سے گھنٹوں کا چولی دامن کا ساتھ نہایت قدیم زمانے سے ہے۔ ہندوؤں کے مندروں میں قدیم سے گھنٹے بجتے آئے ہیں۔ عیسائی مذہب کی عبادت میں گھنٹے بجنے اس وقت سے شروع ہوئے ہیں جب سے غیر مسیحیوں نے عیسائیوں کو ستانا اور ایذا رسانی چھوڑ دی اور کھلم کھلا عبادت ہونی شروع ہوئی۔

ایک زمانہ تھا کہ گھڑیاں گھنٹے وقت بتانے کو بالکل نہ تھے۔ ان ایام میں

گرجے کے گھنٹوں کا بڑا آرام تھا۔ کیونکہ گھنٹے بجانے سے نمازیوں کو گرجے میں بلانا مراد نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ان کے ذریعے سے انکو مطلع کیا جاتا تھا۔ کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں ہر گھنٹے کے لئے ایک خاص دعا مقرر تھی۔ جس میں شامل ہونا ہر شخص کا فرض سمجھا جاتا تھا۔ خواہ وہ اس وقت اپنے معمولی کام میں کیوں نہ مشغول ہو۔ ٹھیک جیسے یورپ کے بعض ملکوں میں اب تک دستور ہے کہ مزدور تک بھی خداوند یسوع مسیح کے تجسم کی یاد میں ہر گھنٹے میں چند لمحہ کے لئے اپنا کام بند کرکے خدا کی طرف دھیان لگاتے ہیں اب تو ایک ایک کے پاس گھڑی ہے اور ہمیں وقت معلوم رہتا ہے۔ اور گھنٹے بجانا پرانے فقیر کی لکیر پیٹنے کے برابر رہ گیا ہے۔ تاہم اب بھی اُن گرجوں میں جن کی نماز سرکاری قانون کے بموجب مجوز ہے صبح اور شام کی نماز سے پہلے گھنٹے نمازیوں کی آگاہی کیلئے بجنے کا حکم ہے۔

(۳) ۱۳ کا ہندسہ کیوں منحوس سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں کبھی تین یا تیرہ چیز ایک وقت میں اپنے دوستوں یا واقف کاروں کو نہیں دیتے۔ دعوت میں میزبان اپنے مہمان کے آگے دو لڈو یا چار لڈو رکھیگا۔ تین بھول کر بھی پیش نہ کریگا۔ اسی طرح جب کوئی رشتے میں بڑا کسی بچے کو عیدی دیتا ہے وہ دو روپے بچے کے ہاتھ پر رکھیگا تین روپے ہرگز نہ دیگا۔ کیونکہ تین کا ہندسہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شے تین یا تیرہ عدد دشمن کو یا جس کا برا چاہتے ہیں اس کو دی جاتی ہیں اردو میں ایک مشہور محاورہ ہے۔ تین تیرہ کرنا جس کے معنے ہیں برباد۔ پراگندہ۔ منتشر یا تتر بتر کرنا۔

عیسائیوں میں تیرہ کا ہندسہ اس لئے بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔ کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کی آخری عشا میں جو انہوں نے اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ کھائی۔ جناب مسیح کو ملا کر تیرہ آدمی تھے۔ اور ایک ان میں سے پلید ہمارے خداوند کا قاتل نکلا۔ ۱۳ کے ہندسے کا منحوس سمجھنا عام طور پر اس واقعہ کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے۔ مگر سچ تو یہ ۱۳ کے

ہندسے کا بدشگونی سے علاقہ باوا آدم کے وقت سے ہے۔ اور یہ خیال ہر ملک و ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ کرۂ زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک ۱۳ کے ہندسے سے لوگ ڈرتے اور نفرت کھاتے ہیں۔ کیا روسی کیا اطالوی کیا ترک کیا انگریز سب اس سے ایسا ڈرتے ہیں جیسے بچے دوپہری بی بی اور جوتے سے۔

اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے جو عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ کہ جس طرح سے ۱۲ کا ہندسہ پہلا کامل ہندسہ ہے جو دو تین چار اور چھ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ۱۳ ایک پہلا ایسا نرالا ہندسہ ہے جو کسی اور ہندسے سے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر زمانے میں ۱۳ کا ہندسہ منحوس اور بدشگون سمجھا گیا ہے +

(۴) شاہ بالا یا دولہے کے دوست کی رسم کہاں سے شروع ہوئی۔

شاہ بالا کے لغوی معنے ہیں ہمدوش یعنی وہ شخص جو قد و بالا یعنی قد و قامت میں دولہا کے ہمسر اور برابر ہو۔ جو عام طور پر کوئی قریبی رشتہ دار اکثر دولہے کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے۔ شاہ بالا کو بھی نوشہ کی طرح آراستہ کرکے دُولہا کے پیچھے گھوڑے پر بٹھاتے ہیں۔ اور دُولہن کے گھر تک لیجاتے ہیں۔

آجکل شاہ بالا تو جناب عالی سر پہ کھڑیا اور پیٹ میں جالی محض نظر بٹو ہی رہ گئے ہیں۔ اور اس رسم کی اصلیت کو لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔ اس رسم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں نائی یا برہمن یا کسی اور شخص کی وساطت سے بات ٹھیرائی نہ جاتی تھی۔ بلکہ دولہا اپنے دوستوں اور قرابتوں کو لے کر دلہن والوں پہ حملہ کرتا اور اُن کی مدد سے جو عورت اُسے پسند ہوتی زبردستی پکڑ لاتا تھا۔ ان لوگوں کو جو دولہا کی اس کام میں مدد کرتے تھے دُولہا اور اُس کے رشتہ دار بھلانے کی غرض سے شاہ بالا کہا کرتے تھے۔ یعنی دُولہے سے بھی بڑھ چڑھ کر آدمی ہی کے طفیل سے دُولہے کو دُلہن ملی ورنہ کہاں مل سکتی تھی۔ ہمارے ہندوستان میں اس قسم کی شادی کو راکشش ریتی بواہ یا بیاہ کہتے ہیں۔ جو ہندوؤں کے قانون میں پہلے جائز تھا اب بالکل متروک ہے

اگرچہ پرانے زمانے میں بھی اس کو بُرا سمجھتے تھے۔ منوجی کے دھرم شاستر کی رو سے راکشش دواہ وہ ہوتا تھا جس میں دُولہا لڑائی میں لڑکی کے رشتہ داروں اور حمایتوں کو قتل کر گھر بار لوٹ کر دلہن کو بزور شمشیر اپنے گھر پر یعنی جبراً لے جاتا تھا۔ تہذیب یافتہ ملکوں میں اس رسم کے اُٹھ جانے کے بعد بھی شاہ بالاؤں کو بڑی عزّت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں۔ جو شاہ بالا یا ساقدوشوں میں سب سے باوقار ہوتا تھا۔ وہ دُولہا کا سب سے افضل دوست گنا جاتا تھا ہوتے ہوتے رواج پڑ گیا کہ شاہ بالا ایک ہی آدمی بنتا ہے۔ اور شادی کی سومات میں اب تک کافی حصّہ لیتا ہے ✦

(۵) شادی کی انگوٹھی عورت کو کیوں پہنائی جاتی ہے۔

ہندوستانی رواج تو یہ ہے کہ مرد اور عورت آپس میں انگوٹھی بدلتے ہیں شادی کے وقت مرد اپنی انگوٹھی عورت کو پہناتا ہے۔ اور عورت اپنی انگوٹھی مرد کو۔ چنانچہ مثنوی گلزار نسیم کا شعر اس بات کی سند ہے۔ جہاں تاج الملوک بکاؤلی کو اپنی خوابگاہ میں بے خبر سوتے پاتا ہے۔ وہاں پنڈت صاحب فرماتے ہیں ؎

انگشتری اپنی اُس سے بدلی ✿ مہر خط عاشقی سند لی

مگر انگریزی دستور کے مطابق جس پر کہ ہندوستانی عیسائی انگریزی رسوم کے زیر اثر آ کر کاربند ہیں۔ فقط مرد گرجا گھر میں انگوٹھی عورت کو نشانی کے طور پر پہناتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ کیوں عورت ہی انگوٹھی پہنے مرد نہ پہنے۔ ہمارے خیال میں تو اگر دونوں میں سے کوئی نہ پہنے تو بھی مضائقہ نہیں۔ بعض اصحاب اس رسم کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ انگوٹھی سے فوراً پہچان لیا جا سکتا کہ فلاں مرد یا عورت شادی شدہ ہے یا نہیں۔ لیکن یہ وجہ بالکل فضول معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر باوجود منکوحہ ہونے کے میاں یا بیوی شادی کی انگوٹھی نہ پہنے تو کوئی رواج یا قانون ایسا نہیں جو اُن کو مجبور کر سکے۔ کہ انگوٹھی پہنیں ہی پہنیں۔ اس رسم کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ پُرانے زمانے میں بیوی کو یا تو مول لے لیا کرتے تھے یا زبردستی پکڑ کر گھر میں ڈال لیتے تھے۔ اور عورت کی اُنگلی میں ایک چھلا ڈال دیا کرتے تھے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ غلانے

فلانے شخص کا مال ہے۔ عورتوں کو غلام سمجھتے تھے۔ اور جس طرح سے گائے بیل بھیڑ بکریاں لوگوں کی ملکیت ہوتی تھیں عورتیں بھی اُن کی ملکیت سمجھی جاتی تھیں کوئی محبت پیار کی راہ سے انگوٹھی نہیں پہنائی جاتی تھی۔ اس لئے فقط عورت کو اب تک شادی کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔ زمانے کے اثر سے تہذیب نے لوہے کے حلقے کو اُڑا کر صرف سونے کا چھلا رہنے دیا ہے۔ کیونکہ مردوں کے خیالات میں بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ اور عورتوں کو اب وہ اپنی لونڈی باندی نہیں سمجھتے۔ ورنہ پہلے غلاموں کے کان میں لوہے کا حلقہ ڈالا جاتا تھا۔ اور عورتوں کی انگلی میں چھلا غلامی اور ملکیت کی نشانی ہوتی تھی۔

مشن کالجوں اور سکولوں میں کتابِ مقدس کی تعلیم

جب مشنری صاحبان نے اس ملک میں اپنا قدم جمایا تو سکولوں اور کالجوں کو قائم کیا۔ اور ان کے ذریعہ ہمارے ہم قوموں میں انجیل جلیل کی بشارت شروع کردی۔ آدمی تھے قابل اور روح سے معمور۔ خدا نے ان کے کام پر برکت بخشی۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ہمارے ہم قوم مسیحی ہوگئے۔ یہ صاحبان دن بھر طلبا کو پڑھاتے تھے اور شام کو منادی کرکے بعض دفعہ رات کے گیارہ بارہ بجے آتے۔ مرحوم بشپ لیفرائے۔ ڈاکٹر فورمن۔ ڈاکٹر ڈف اور بیسیوں دیگر نفس کش اور سالکانِ راہِ خدا کے نام اس سلسلہ میں وردِ زبان ہوجاتے ہیں۔ ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق کے بوسے میری زباں کیلئے

اُن دنوں میں کالجوں اور سکولوں پر خدا کا ہاتھ سب کو دکھائی دیتا تھا۔ وہ گویا خمیر تھے۔ جس کا طلبا پر اثر ہوتا تھا۔ مقناطیس کی طرح مسیح خداوند کی طرف سب کھچے آتے تھے۔ مشنری صاحبان کا زور زیادہ تر انگریزی۔ تاریخ فلسفہ

سائنس ریاضی وغیرہ پر نہیں۔ بلکہ انجیل جلیل پر ہوتا تھا۔ ان کی زندگیاں خود کلام اللہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ان میں مسیحی مزاج کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ سُنتا ہے کہ مرحوم ڈاکٹر نیوٹن ایک دفعہ لاہور میں منادی کر رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ آپ نے کمال متانت سے رومال جیب سے نکالا اور منہ پونچھتے ہوئے منادی کرتے رہے۔ سامعین آپ کے مسیحی مزاج سے متاثر ہوگئے۔ اور بہت سے خداوند کے پاس آئے اُن دنوں زمین پر جبار رہتے تھے"!

لیکن اِن دنوں کیوں کوئی شخص خداوند مسیح کے پاس اِن سکولوں اور کالجوں کے ذریعہ نہیں آتا۔ حالانکہ آجکل سکول بکثرت ہیں۔ ان کا انتظام اعلےٰ ہے اُستاد مقابلتاً اپنے مضامین میں قابل ہوتے ہیں لیکن خداوند کی برکت ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ راقم الحروف نے اپنی ساری عمر مشن سکولوں اور کالجوں میں کاٹی ہے۔ لیکن کہیں کتاب مقدس کا اثر نہیں دیکھا۔ کسی کو یہ پوچھتے نہیں دیکھا کہ صاحب میں کیا کروں کہ نجات پاؤں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے بیسوں مشنری کام کرتے ہیں اور ایک معقول تعداد ہندوستانی مسیحیوں کی بھی مدارس میں پائی جاتی ہے لیکن پھل ندارد۔ کیا ہمارے سکولوں اور کالجوں کی عالی شان دیواروں پر بڑے بڑے حروف میں یہ الفاظ کندہ نہیں ہیں "تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا۔"

اپنی ضمیروں کو خاموش کرنے کے لئے اور معترض کا منہ بند کرنے کے لئے معلمین چند ایک دلائل دینے کے عادی ہیں۔ کہ خداوند کا کلام طلبا کے دلوں میں بویا جاتا ہے، اور اپنے وقت پر پھل لائیگا۔ کہ مشنری صاحبان محض بپتسمہ یافتوں کے ناموں سے اپنے رجسٹر پُر نہیں کرنا چاہتے کہ مشن سکولوں اور کالجوں کی ہستی سے مسیحیوں کی تعداد بڑھانی مقصود نہیں۔ بلکہ ملک میں علم پھیلانا مقصود ہے۔ کہ ہمیں مسیحی بنانے کے تنگ خیال سے نہیں بلکہ کشادہ دلی سے ان بھولے بھٹکے غیر مسیحی برادران کو جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لانا چاہئے۔ کہ ایسا کرنا بھی مسیحی کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام جوابات کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ باوجود ان جوابات کے مدرسین کی اپنی تسلی نہیں ہوتی۔ ان کا دل خود گواہی دیتا ہے۔ کہ موجودہ حالت ہرگز تشفی بخش نہیں ہے۔ ان جوابات سے ایک اور بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ مسیحی مشنری اور معلمین نے ابھی تک اس امر پر توجہ نہیں فرمائی کہ ہماری مسیحی درس گاہوں کا مطمع نظر کیا ہے۔ کیا مسیحی درس گاہیں طلبا کو خداوند کے پاس لانے کے لئے ہیں یا جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لانے کی غرض سے قائم کی گئی ہیں۔ اس وقت یہ سوال نہیں کہ علم کی روشنی پھیلانا بھی مسیحی خدمت ہے۔ یہ جواب مغالطۂ نتیجہ غیر مطلوبہ کی ایک مثال ہو گا۔ کیونکہ سوال یہ ہے کہ مشنری صاحبان اور مسیحی معلمین نے درس گاہوں کے قائم کرنے کی اصل غرض اور علتِ غائی صاف طور پر اپنی نظروں کے سامنے نہیں رکھی۔ اور اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ (الف) آیا یہ سکول طلبا کو خداوند کے پاس لانے کے لئے قائم ہیں یا (ب) جہالت سے نکالنے کیلئے + جائے حیرت ہے۔ کہ لاکھوں روپیہ اندھا دھند خرچ ہو رہا ہے۔ اور خرچ کرنے کے اصلی مقصد اور مدعا کا پتہ تک نہیں جب ہمارے معلمین ہی اپنا مدعا صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے تو کیا اندھا اندھوں کو راستہ دکھا سکتا ہے ؟

ہماری درس گاہوں میں درس و تدریس پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن کتاب مقدس کی تعلیم ایک غیر ضروری مضمون کے طور پر سکھائی جاتی ہے۔ راقم مضمون مشن سکولوں اور کالجوں میں پڑھتا پڑھاتا رہا ہے۔ اور اس صوبے کی تمام اعلےٰ درس گاہوں اور متعدد سکولوں اور ان کے معلمین سے ذاتی طور پر واقف بھی ہے۔ پس مندرجہ بالا الفاظ کو ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت سے تحریر کرتا ہے مختلف مضامین کو پڑھانے کے لئے سکولوں اور کالجوں کے پرنسپل قابل ترین اصحاب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جنہوں نے ٹریننگ کالج میں تعلیم پائی ہو یا تجربہ کار ہوں تاکہ یونیورسٹی میں نتائج اعلےٰ ہوں۔ اور درس گاہ کا نام روشن ہو لیکن کیا ایسے اُستادوں میں وُہ کتاب مقدس کے علم اور مطالعہ کی بھی تلاش کرتے ہیں۔ جن کی روحانی زندگی ایسی اعلےٰ ہو کہ طلبا کو کلام اللہ کے مطالعہ کا

ق پیدا ہو؟ جتنا دوسرے مضامین کے مطالعہ اور سبق پر زور دیا جاتا ہے
نی ہی بائبل شریف کے مطالعہ میں ڈھیل دی جاتی ہے۔ جہاں دیگر مضامین
ں ہر سہ ماہی امتحان لیا جاتا ہے۔ اور جماعت وار ترقی دی جاتی ہے وہاں
تاب مقدس کے علم کا امتحان سوائے دو یا تین درس گاہوں کے کہیں نہیں
ہوتا۔ پھر معلمین دنیادی مضامین کا مطالعہ گھر میں کرکے تب پڑھاتے ہیں۔
لیکن جب کتاب مقدس کو انہیں پڑھانا ہوتا ہے تو جماعت کے کمرے میں داخل
ہوتے وقت تک نہیں جانتے کہ کیا پڑھانا ہے۔ اس امر میں راقم ہرگز مبالغہ
سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ صرف ایک افسوس ناک حقیقت کا بیان کرتا ہے۔

دنیادی مضامین طلبا کو سلسلہ وار سکھائے جاتے ہیں۔ مبتدی میں اور
اعلےٰ جماعتوں میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور خاص اسباق اور کتب ان کیلئے تیار
ہوتی ہیں۔ لیکن کلام اللہ کی تعلیم میں یہ امر ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ کچھ باقاعدہ
تعلیم نہیں ہوتی۔ طریقہ تعلیم میں درس گاہوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے
ایک کچھ پڑھاتا ہے اور دوسرا کچھ اور ہی تعلیم دیتا ہے۔ غرض کیا تعلیم کے لحاظ
سے اور کیا کتب کے لحاظ سے ہماری درس گاہوں میں بے ترتیبی اور بدنظمی
اور ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ پھر معلمین کی ایک بڑی تعداد مسیحی اخلاق کی ہی تعلیم
دیتی ہے۔ لیکن مسیحی نجات یا مسیحی تجربہ کا بیان شاذونادر ہی کیا جاتا ہے۔ نہ
صرف کتاب مقدس کی تعلیم پر زور دیا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ بعض دفعہ تو اُس
آدھے گھنٹہ کو سرے سے بند ہی کر دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص لیکچر دینے آتا
ہے تو بائبل کے گھنٹہ میں ہی کرتا ہے۔ اگر کوئی معلمین کا اجلاس ہونا ہو تو
بائبل کے وقت میں ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض درس گاہوں میں تو بائبل کے
وقت غیر مسیحی معلمین سے درخواست کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے مذاہب کے
عقائد کی تلقین کریں۔ اندیشہ ہے کہ "مسیحی" کے اڈیٹر صاحب کہیں کہ مسیحی کے
اوراق میں اتنی گنجائش نہیں کہ ایک ہی وقت میں اس ضروری مضمون پر مفصل
طور پر بحث کی جائے۔ لہذا اپنی قلم کو روکتا ہوں۔ امید ہے کہ کوئی اور صاحب
بھی اس اہم مضمون پر تحریر فرمائیں گے۔ والسلام راقم معلم گوسفنداں

ہمارے معزز نامہ نگار نے ازراہِ کسرِ نفسی اپنے تئیں معلم گوسپند ان کے نام سے ناظرین رسالہ کسی سے تعارف پیدا کیا ہے۔ ہماری رائے میں آپ ماشاء اللہ بڑے بیدار اور پختہ مغز معلم معلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔ مضمون خود شاہد ہے ۔ مشک آنست کہ خود ببوید و مضمون واقعی بڑا دلچسپ اور غور طلب ہے + ایڈیٹر

کیا مغربی اقوام مسیحی ہیں

(از ذین انچ صاحب)

ہمارے خداوند نے کبھی یہ امید ظاہر نہیں فرمائی۔ کہ کسی قوم کے متعدد اشخاص آپ کے حقیقی پیرو ہونگے۔ ہجوم ہمیشہ کشادہ راستے پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن تنگ ہے وہ دروازہ اور چھوٹا ہے وہ رستہ جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔ اور تھوڑے اس میں سے گذرتے ہیں "اگر انہوں نے گھر کے مالک کو بعلزبوب کہا ہے تو وہ گھر والوں کو کیا کچھ نہ کہیں گے"! "جب ابن آدم آئیگا تو کیا وہ زمین پر ایمان پائیگا"؟ خداوند کے ان کلمات کی روشنی میں ہمیں مایوس ہونا نہیں چاہئے۔ چاہے گروہوں کے گروہ نام نہاد مسیحی ہی ہوں تاہم محض مسیحی کہلوانے سے ہی کوئی شخص حقیقی مسیحی نہیں ہو جاتا۔ "نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے۔ خدا کی سلطنت کا رکن ہوگا"۔ پس خداوند کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجمع کثیر میں مسیحی شاذونادر ہی ملتے ہیں۔ جب کبھی کلیسیا مضبوط اور طاقتور ہو تو یہ جان لو کہ کسی غیر مسیحی سیاسی جماعت کے ساتھ اس نے ناپاک اتحاد کر لیا ہے۔

اگر ہم سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کی تہ کو پہنچیں۔ تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ ان میں اور مسیحیت میں بعد المشرقین ہے اور اگر مسیحی اصول پر عمل کیا گیا ہوتا تو ان مسائل کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ اقوام کی آپس کی کشمکش ان کے قومی جذبہ کا نتیجہ ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ "میرا ملک۔ خواہ حق پر ہو یا نہ ہو"۔ یہ جذبہ اب ان کو یہ سکھاتا ہے کہ یورپ کے باہر تمام اقوام وحشی اور نیم مہذب ہیں جن کے

ساتھ ہمارا کوئی اخلاقی تعلق نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسیحی اصول اس جذبہ کے مخالف ہیں۔ مقدس پولوس فرماتے ہیں کہ مسیح میں نہ کوئی یہودی ہے نہ یونانی نہ غلام نہ آزاد یہ قومی جذبہ انجیل جلیل سے سرکش ہے اور اعلےٰ اور ادنےٰ اقوام کی اصطلاح مسیحیت کے متناقض ہے بلکہ اوروں کے ممالک چھین کر اپنے ملک کی وسعت کو ان کے باشندوں کی مرضی بغیر بڑھانا مسیحی اصول کے سراسر خلاف ہے۔ جیسا مقدس اگستین نے فرمایا ہے کہ اگر انصاف کو نکال دو تو سلطنت بڑھانے اور ڈاکہ مارنے میں کچھ فرق نہیں۔

پس ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ہمارے قومی اور بین الاقوامی پیچیدہ مسائل کی تہ میں مسیحیت اور مسیح سے سرکشی ہے۔ اگر مختلف اقوام خداوند کے اقوال کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ تو آج دنیا کی کایا پلٹ جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے مدبرین اور اراکین سلطنت اپنے آپ کو خداوند مسیح سے زیادہ دانشمند خیال کرتے ہیں۔ انجیل جلیل نے ہم کو بتا دیا ہے کہ انسان آپس میں صلح صفائی خوشی اور سلامتی سے کس طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن مغرب نے اپنے کان بند کر لئے ہیں۔ ان کے کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں +

ہمیں ڈین صاحب کی رائے سے کم اتفاق ہے مضمون کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موصوف بین الاقوامی اور سیاسی مسائل سے بے بہرہ ہیں۔ تمام مضمون میں ایک مایوسی کا سُر بول رہا ہے۔ لیگ آف نیشنز سے بڑھ کر آجتک کون سی مجلس قائم ہوئی ہے یا تجویز کی جا سکتی ہے جس سے قوموں میں صلح اور امن پیدا ہونا ممکن ہوا ہو۔ ہاں نقائص انسان کے ہر کام میں ہوتے ہیں۔ مگر خدا نے چاہا آہستہ آہستہ یہ بھی دور ہو جائینگے۔ کیونکہ ضرور ہے کہ سلامتی کے شاہزادے کا عمل دخل دنیا میں ہو اور ملینیم آ جائے۔ نکتہ چینی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ دعا کی۔ مغربی اقوام کا پر غیر مسیحی ہونے کا فتوےٰ دے دینا خود خلاف مسیحیت ہے۔ الزام مت لگاؤ۔ اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھو۔ بہتر مسیحی اصول ہے +

اڈیٹر۔

جاپانی عورتیں

اے نو اور جاپانی عورتیں

گو کہ جاپانیوں میں جزائر جاپان کے آس پاس کی بیشمار قوموں کا خون مل جل گیا ہے تاہم دو قسم کی عورتیں صاف پہچانی جا سکتی ہیں۔ ایک اے نو۔ دوسری خاص جاپانی۔ اے نو عورتوں کے سروں پر بہت بال ہوتے ہیں اور اکھڑا اور مراد نہ چہرہ۔ ان میں تھوڑی بہت تہذیب ہے۔ مگر نہایت دقیانوسی۔ ان کا رہنا سہنا۔ کھانا۔ پہننا۔ چیز بست۔ زیورات سب پرانے زمانے کی عورتوں کے سے ہیں۔ صفائی میں جاپانیوں سے بھی گئی گذری ہیں۔ جاپانی عورتوں کا نہانا دھونا یا صاف اور اجلے کپڑے بدلنا مذہبی حکم سمجھا جا سکتا ہے۔ ورنہ شاید ان کا بس چلے تو کبھی نہ نہائیں اور نہ کپڑے بدلیں۔ اور اے نو عورتیں تو کم بخت یہاں تک غلیظ ہوتی ہیں کہ ایسی باتوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتیں۔ اور ان کی وہی مثل ہے جب پیدا ہوئی تھی تو زبردستی دائی نے نہلا دیا تھا اور جب مر جاوینگی تو غسل دے دیجئے۔ ورنہ نہانا نرک میں جانا اور منہ دھونا روزی کھونا ہے۔

ہم سب سے پہلے جاپانی عورتوں کا حال خاص کر اپنی مسیحی بہنوں کی آگاہی اور دلچسپی کے لئے بیان کرتے ہیں۔

جاپانی عورتوں کے خصوصیات

شمالی جاپان میں عورتوں کی بالخصوص مزدوری پیشہ عورتوں کی یہ شکل ہوتی ہے منہ چپٹا۔ پھیلی ناک۔ چندھی چندھی آنکھیں عین ایک دوسرے کی سیدھ میں۔ گال کی ہڈی باہر کو نکلی ہوئی۔ بدن کی توانا اور مضبوط گٹھا ہوا بدن مگر ہاتھ پاؤں ناک نقشہ جسم کے مناسب نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف جنوب میں حکمران اور شریف لوگوں میں زیادہ تر خوش قطع اور نازک شکل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کے بیضوی منہ خوبصورت اور خاصی اٹھی ہوئی ناک مگر وہی خاص

جاپانیوں کی ٹیڑھی آنکھیں۔ جسم میں اگرچہ بہت ہلکی پھلکی ہوتی ہیں مگر اعضا تناسب
ہوتے ہیں۔

جاپانی مردوں کا قد چار فٹ اور پانچ فٹ کے درمیان ہوتا ہے۔ عورتیں ایک
آدھ انگل اُن سے کم۔ پانچ فٹ سے اونچی عورت ڈھونڈے نہ ملیگی۔ عورتوں کا ماتھا
بے ڈھب چپٹا ہوتا ہے۔ بعض کا رنگ اطالوی یا دیگر جنوبی یورپ کی عورتوں
سے کم نہیں۔ چہرہ اکثر زرد اور سانولا ہوتا ہے۔ مگر جسم عام انگریز عورتوں سے زیادہ گورا

معیارِ حسن جاپانی اُس عورت کو خوبصورت سمجھتے ہیں جس کا چہرہ لمبا اور
پتلا۔ چوڑا ماتھا۔ بیچ میں تنگ۔ سروں پر فراخ۔ کالے سیاہ بال
لمبے۔ سیدھے اور ملائم ہوں۔ گھونگر والے بالوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔
آنکھوں کا پھاڑ بڑا مگر تنگ ہونا چاہیے۔ اور تھوڑا سا اوپر کی طرف جھکا ہوا۔
بھویں ہلکی کھچی ہوں اور جسقدر ہوسکے آنکھوں سے دُور۔ اونچی یہودیوں کی سی
ناک پسند کرتے ہیں۔ جو بانسے کی جگہ نیچی ہو جائے اور پھر اُٹھے چھوٹا سا منہ
ہونا چاہیے۔ مگر ہونٹ ٹھیک بنے ہوئے اور سرخ۔ گردن لمبی پتلی نازک اور
صراحی دار پر جان دیتے ہیں۔ سفید اور نرم رنگ کو سراہتے ہیں۔ گالوں میں ذرا
سی لالی ہو تو سونے پہ سہاگا سمجھتے ہیں۔ جاپان کے اعلےٰ خاندان کے لوگ اور
ملکوں کے لوگوں کی طرح تازگی اور سرخی کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ چھریرا جسم۔
لمبی کمر۔ تنگ کولہے کی قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ قومی لباس ایسے جسم پر خوب پھبتا
ہے۔ چلتے وقت سر اور کندھے ذرا سے آگے کو نکالکر چلتی ہیں۔ اور کمر میں ذرا
سا خم دیکر چلنا خرام ناز سمجھا جاتا ہے۔ جلدی جلدی اور چھوٹے چھوٹے قدم
لینا سب سے خوبصورت چال سمجھی جاتی ہے۔ زمین سے پاؤں اُٹھا کر چلنا
بہت نامناسب خیال کیا جاتا ہے۔ سارے میں پھدک پھدک کرتی پھرتی ہیں۔

جاپانی عورتیں بڑی قوم پرست اور محبِ وطن ہوتی ہیں۔ ملک کو پیار کرنا اپنا
مذہبی فرض سمجھتی ہیں۔ ان میں پرلے سرے کی خودداری ہوتی ہے۔ ایشیائی
عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ اپنی عزت کا بڑا خیال رکھتی ہیں۔ اس لئے ان میں
تعلیم نسوان کا چرچا بہت جلد پھیل گیا ہے۔ اور لڑکیوں کو خاطر خواہ تعلیم

دی جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاپانی عورتوں کا بہت طرح دار لباس ہوتا ہے۔ پھولوں سے بڑی محبت کرتی ہیں۔ شرفا کی لڑکیوں کو پھول سجانے بچپن سے سکھائے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں اپنے لباس اور بھڑکیلی اوڑھنیوں میں پھول ٹانکتی ہیں۔ ان کا لباس نہ صرف خوشنما ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کے درست کرنے میں اسے اعلےٰ درجے کی کاریگری کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ جاپانی عورتیں لباس کی بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ ان لوگوں میں ایک کہاوت ہے۔ کہ سب سے خوشنما لباس وہ ہے جو قدرت کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کے مطابق ہو۔ اس لئے شوخ رنگ کے کپڑوں کا بہت رواج ہے۔ امیر عورتیں گوٹے کناری کے کپڑے بہت پہنتی ہیں۔ نیلا رنگ مرغوب خاص وعام ہے۔

عورتوں کا لباس

نیچے ایک کرتا پہنتی ہیں۔ جو اکثر کسی گہرے رنگ کے ریشم کا ہوتا ہے۔ کرتے کے اوپر ایک ڈھیلا ڈھالا ریشم یا کریپ یا اور کسی بڑھیا روئی کے کپڑے کا پہننے والی کی حیثیت کے مطابق چوغا سا ہوتا ہے جو ٹخنوں تک آتا ہے۔ یہ بھی بہت شوخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اور اُسے کیمونو کہتے ہیں۔ کیمونو میں بٹن یا تکمہ یا باندھنے کے لئے کوئی ڈوری وغیرہ نہیں ہوتی۔ یونہی دائیں طرف کو لپیٹ لیتے ہیں۔ (بائیں طرف کو جیتے جی کبھی نہیں ڈالتے) اور اس کے گرد ایک چوڑی ریشم کی پیٹی یا کمر بند باندھ دیتے ہیں۔ یہ پیٹی دس بارہ انچ چوڑی ہوتی ہے۔ اور اسے اوبی کہتے ہیں۔ اوبی اکثر ریشم اور سونے چاندی کے تاروں کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ اور کئی تہ کا ہوتا ہے۔ اور اسے پیٹھ کی طرف باندھتے ہیں۔ اور گرہ کی جگہ ایک پھندنا سا بنا دیتے ہیں یہ کمر بند یا اوبی جاپانی عورتوں کے لباس میں سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے۔ بعض تو بہت ہی بڑھیا ہوتے ہیں اور ان پر سلمے ستارے اور بیلبوٹے کا کام بنا ہُوا ہوتا ہے۔ ان مرصّع کمربندوں کی قیمت ہزار روپے تک پہنچ جانی معمولی بات ہے۔ اور بعض تو ایسے عمدہ اور پائدار بنے ہوتے ہیں کہ دادی پہنے تو پوتی برتے۔ جہیز میں دیئے جاتے ہیں۔ کمر بندوں کو پہننے میں گھنٹوں لگاتی ہیں۔ اور طرح طرح سے ان کو سجاتی ہیں۔ ان کا باندھنا بھی آسان کام نہیں۔ انہیں کو خوب آتا ہے۔ ہر ایک کے بس

کی بات نہیں۔

گھروں میں عورتیں جوتیوں کی بجائے انگلیوں دار موزے چڑھالیتی ہیں۔ مندروں یا گھروں میں داخل ہوتے وقت ان موزوں کو اتارلیتی ہیں۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو چپلیاں سی پہن لیتی ہیں۔ یا تنکوں کی بنی جوتیاں بوقت سفر پاؤں میں اٹکا لیتی ہیں۔ امیروں کی عورتوں کی چپلیوں پر بہت اچھا کام نکلا ہوتا ہے۔ غریب عورتیں کا مدار جوتے نہیں پہنتیں۔ شیشم کی لکڑی کی کھڑاویں.. استعمال کرتی ہیں۔

یورپین لباس کا اثر

یورپین لباس کا اثر سوائے منصب داروں اور شریف خاندان کی عورتوں کے کسی پر نہیں پڑا۔ انگریزی لباس جاپانی عورتوں پر نہیں کھلتا۔ وہ اپنے خوشنما اور بانکے لباس میں ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ جاپان کی عورتیں لڑکے اور لڑکیوں کو برابر پیار کرتی ہیں۔ بچپن میں لڑکیوں کی عجیب شکل ہوتی ہے۔ کہ خواہ مخواہ انہیں دیکھنے کو جی کرتا ہے۔ لڑکی پیدا ہو تو بھی خوب خوشی منائی جاتی ہے۔ اور ماں کو تحفے رشتہ داروں کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ جس دن لڑکی پیدا ہوتی ہے وہ ایک برس کی سمجھی جاتی ہے۔ ملک کی تمام لڑکیوں کی سالگرہ تین مارچ کو منائی جاتی ہے۔ اور کسی دن سالگرہ ہو ہی نہیں سکتی ساتویں دن دفتر میں نام درج کیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے نام عام طور پر کسی نہ کسی قدرتی خوبصورت چیز پر ہوتے ہیں۔ مثلاً چمپاکلی۔ آلوچہ سونا۔ سورج۔ گلاب۔ چنبیلی۔ سرو۔ شمشاد۔ نرگس وغیرہ۔ لڑکیوں کے بالوں کو طرح طرح سے بناتے ہیں۔ جس سے وہ بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ بالوں کے سنگھار پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو اپنے خاندان کی کسی زندہ عورت کا نام دینا بُرا شگون سمجھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جاپان میں کسی کے نام کے پیچھے نام دینا اس شخص کی عزت افزائی سمجھا نہیں جاتا۔ بچپن میں لڑکیوں کی گردن پر بہت جلدی تعلیم اور تربیت کا جوا نہیں رکھتے۔ لڑکیوں کو شروع سے دوزانو بیٹھنے کی عادت ڈال دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ غریب عورتیں چونکہ کام دھندا کرتی پھرتی ہیں۔ اس لئے ان

کی ٹانگیں اور نیچے کا حصّہ ایسا چھوٹا نہیں ہوتا جیسا کہ اچھے خاندان کی عورتوں کا۔ چین کی لڑکیوں کے پیر ایسے کس کر باندھے جاتے ہیں۔ کہ اُن کی شکل بگڑ جاتی ہے اور بڑھ نہیں سکتے۔ چھوٹے چھوٹے رہ جاتے ہیں۔ مگر جاپان کی لڑکیوں کے پیر اس طرح خراب نہیں کر دیئے جاتے۔ بچپنے میں نرم انگلیوں دار موزے پہنائے جاتے ہیں۔ اور لڑکیاں گھر میں بھاگتی دوڑتی پھرتی ہیں۔ جب ذرا بڑی ہو جاتی ہیں تو اُن کو خاص طرح کا چلنا اور چھوٹے چھوٹے قدم لینا سکھایا جاتا ہے۔ لڑکے صوفیانہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ مگر لڑکیاں تا وقتیکہ اُن کی شادی نہ ہو۔ بھڑکیلے رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ جیسے ہرے۔ لال اور نیلے رنگ کے کپڑے لڑکیوں کو پہنائے جاتے ہیں۔

لڑکیوں کی تربیت

جب لڑکیاں ذرا سیانی ہو جاتی ہیں تو عام طور پر اُن کی زندگی بڑی خوشی کی ہوتی ہے۔ لیکن سوائے ذلیل خاندانوں کے ہر طبقے کی لڑکیوں کا فرض ہے۔ کہ عقل و شعور سلیقہ اور سگھڑاپہ اخلاق و آداب کے قاعدے سیکھیں۔ ایک بات جو لڑکیوں کو جلدی ہی سیکھنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش کے دن سے لے کر مرتے دم تک اُسے کسی نہ کسی آدمی کے تابع رہنا چاہیئے۔ اُسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خوشی خوشی فرمانبرداری۔ بدن کی صفائی۔ صاف ستھرے لباس اور اچھے اطوار کی اُس سے توقع کی جاتی ہے اور اس کی تمام آئندہ زندگی کی خوشی۔ اور عزت کا دارومدار انہی خوبیوں کے حاصل کرنے پر ہے۔ پہلے زمانے میں عورتوں کو باہر نکل کر کام کاج کرنا بالکل منع تھا اور اب بھی اس بات کو بہت اچھا نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جاپان کی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ گھر کا کاروبار دیکھیں۔ اور اگر کاشتکار ہیں تو گھر یا بہت سے بہت کھیت میں کام کریں۔ جب سے روس و جاپان کی لڑائی ہوئی ہے۔ اور مغربی قوموں کے خیالات ان میں آ گئے ہیں۔ عورتوں پر باہر کا کام کرنے کی اس قدر قید نہیں رہی۔

چنانچہ عورتیں اپنے باپ یا کسی اور مرد رشتہ دار یا خاوند یا بیٹے کی محکوم رہتی ہیں۔ اور ان کی سب سے بڑی کامیابی اور خوشی علمی لیاقت حاصل کرنے اعلےٰ تعلیم پانے

یادماغی قوت کو وسیع بنانے میں نہیں بلکہ بڑی احتیاط سے نوعمری میں ہی پسندیدہ اخلاق حاصل کرنے اور اپنی خودی مٹانے۔ فرمانبرداری اور اپنے جذبات کو روکنے میں جو اُن کا فرض خیال کیا جاتا ہے سبھی جاتی ہے۔ جاپانی عورتیں اس حالت سے بالکل ناخوش نہیں۔ اپنے جذبات کو روکنے سے فقط یہ مراد نہیں ہے کہ غصے حسد مایوسی اور رنج کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ بڑی سے بڑی تکلیف اور مصیبت میں بھی خوش مزاجی ادب اور ظرافت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ بلکہ نہایت ہشاش بشاش رہیں۔ یہ فرائض لڑکیوں کو کم سنی کے ایام سے سکھانے شروع ہوتے ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ اُن کی دوسری سرشت بن جاتے ہیں محض ظاہر میں ہی اختیار نہیں کئے جاتے۔ اسی لئے وہ دُنیا میں بڑی ہر دلعزیز اور خوشحال عورتیں بن جاتی ہیں۔

جاپانی عورتیں اور لڑکیاں ہمیشہ دلکش رعب دار اور مہذب ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک تمیز کی پتلیاں ہیں۔ نہ بہت شرمیلی ہیں نہ بڑی شوخ اور بے حیا جس قدر اُن سے میل جول رکھو اسی قدر اُن کی خوبیاں عیاں ہوتی ہیں۔ بھلی مانس سیدھی سادی بھولی بھالی اصلی جاپانی عورتیں اُن شہروں اور گاؤں میں ملتی ہیں جہاں موجودہ زمانے کی تہذیب اب تک نہیں پہنچی ہے۔ اور جہاں ریل نے بھانت بھانت کے آدمیوں کی ریل پیل نہیں کی ہے۔ اوناد یگ اکو کے مصنف رشی گیبارہ (ہیکن) کی اخلاقی تعلیم کا اثر نظر آسکتا ہے۔ جس کی رو سے ہر عورت کو کمال اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی بسر کرنی لازم ہے۔ جوان ہو کر ان کی قسمت میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ وہ کسی نئے گھر میں بیاہ کر جائیں۔ اور اپنے خسر کے تابع فرمان رہیں اور بڑے ادب اور خاکساری سے اُس سے تعلیم حاصل کریں۔ خاوندوں کی عزت اور اطاعت اُن کا زیور سمجھا جاتا ہے۔ دادا اور نانا اپنی پوتیوں نواسیوں کو بتایا کرتے ہیں۔ کہ کہ خوبصورت دل خوبصورت شکل سے بدرجہا بہتر ہے۔ ؎

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا - سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

جو لڑکی جاپان میں دیکھو ایسی حیادار اور شریف ملے گی کہ اُن کی اونچی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ پھر بھی انہیں ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ شریر عورت کا دل

ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔ اور وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتی ہے۔ اوروں سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہے سخت الفاظ اور بلند آواز اور گندی زبان اس کی پہچان ہیں۔ ایسی عورتیں شریف بیبیوں سے جلتی اور کڑھتی رہتی ہیں۔ اور اُن سے بہتر اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور مغرور اور دوسروں کی عزت اتارنے والی ہوتی ہیں۔ اچھی عورتوں میں یہ باتیں ہونی نہیں چاہئیں۔ بلکہ لڑکپن ہی سے ان کو معلوم کرنا چاہئے کہ عورتوں کے کیا فرائض ہیں اور مردوں کے کیا۔ وہ کون کون سی باتیں ہیں۔ جس میں عورت کو دخل دینا نہیں چاہئے۔ اور شوخی بے حیائی۔ اور اکھڑپن اور مردوں کی ریس کرنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

عورتوں اور مردوں میں آسانی سے تمیز کرنے کے لئے کئی رواج پُرانے زمانے سے چلے آتے ہیں۔ جن پر اب تک بھی بہت جگہوں میں عمل درآمد ہوتا ہے۔ ایک عجیب و غریب رسم یہ ہے کہ ہر عورت کو لازم ہے کہ جب رات کو باہر نکلے۔ تو ایک جلتی ہوئی لالٹین ساتھ رکھے۔ اور جن کو نہیں جانتی نہ اُن سے بات کرے اور نہ سلام دعا کرے۔ یہ آخری رسم واقعی بڑی قابل تحسین ہے۔ کیونکہ جو نادان عورتیں اس قسم کی باتیں کرتی ہیں وہ اپنی ہی عزت نہیں گنواتیں بلکہ اپنے ماں باپ بلکہ خاندان کی ناک کٹواتی ہیں۔

شاید کوئی مغربی رسم ورواج کی دل دادہ عورت۔۔ سمجھے۔ کہ جاپانی عورتوں کی بری گت ہوتی ہے اور وہ ضرور اپنی حالت پر رنج کرتی اور آزادی کے لئے مرتی ہونگی۔ مگر نہیں خدا کا شکر ہے کہ ان کو آزادی کی ہوا اب تک نہیں لگی ہے۔ نہ بے حیائی کا لقوہ انہیں مار گیا ہے۔ جاپانی عورتوں سے مردوں کے ظلم کی شکایت کبھی سننے میں نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے نیک اور بد کی پہچان کے پھل کا ذائقہ اب تک نہیں چکھا ہے۔ اس لئے ان کو اپنی حالت سے ناخوشی نہیں۔ نہ وُہ آزادی کی کوئی ضرورت محسُوس کرتی ہیں۔ شروع سے انہیں اپنی ماں بہنوں اور نانی دادی کے نقش قدم پر چلنا سکھایا جاتا ہے۔ اور دل بگاڑنے والی عورتوں سے کوسوں دور رکھا جاتا ہے۔ ان کی تمام زندگی کا حاصل تین طرح کی اطاعت ہے۔

(۱)۔ ماں باپ کی اطاعت شادی تک۔

(۲)۔ خاوند اور اُس کے رشتہ داروں کی اطاعت۔

(۳)۔ بیوہ ہوئے پیچھے اپنے بڑے لڑکے کی اطاعت اور اگر لڑکا نہ ہو تو اپنے خاوند کے خاندان کے بزرگ کی اطاعت۔

بے شک ایسی اطاعت عورتوں کا حسن ہے ا اطاعت عورتوں کی کمال آزادی اور خوشحالی کا باعث ہے۔ عورتوں کی خراب خستہ حالت اُن کا شتر بے مہار کی طرح منہ اُٹھا کر پھرنے اور مرد کے تابع ہو کر نہ رہنے۔ اور خود سری اور منہ زوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

منشی کدارناتھ صاحب منت کی یہ نظم بصد شکریہ درج مسیحی کی جاتی ہے۔ منشی صاحب بڑے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اور آپ کی شاعری اور ذات مسیحیان ہند کو تبرک سمجھنی چاہئے۔ امید ہے کہ منشی صاحب مسیحی پر ہمیشہ نظر عنایت فرماتے رہا کریں گے۔ ..... ایڈیٹر۔

مسیحی کی آمد آمد ہے

زہے زماں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے
ہو شادماں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

خزاں کے بعد ہے موسم بہار کا آتا
ہو نغمہ خواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

ہو سوکھے دھان کے کھیتوں کو جس طرح بارش
ہے تازہ جاں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

مسیحیوں کی حمایت کیواسطے سب سے
کرو بیاں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

کہو اب اُن سے جو چاہیں خوراک روحانی
بچھیگا خواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

ہیں طفل شاد مسرت ہے پیر کو حاصل
ہیں خوش جواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

اخبار

شکریہ

(۱)۔ ہم مسٹر اے۔ میا داس صاحب ایم۔ ایل۔ سی فیروز پور اور مسٹر ایس ڈیوڈ صاحب آنریری مجسٹریٹ لائل پور کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں "مسیحی" کے شروع ہونے کی خبر پاتے ہی دس دس روپے کا عطیہ عنایت فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اور ہماری کوششوں سے اظہار ہمدردی کیا ہے ہر دو صاحبان کی فیاضی سے ہمارے ارادوں اور امیدوں کا باغ سرسبز ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر مسیحی فدایان قوم بھی اُن کی تقلید کرینگے۔

(۲)۔ ناظرین اس خبر مسرت اثر کو سنکر بہت خوش ہونگے کہ مسٹر بی۔ ایم سرکار صاحب ہیڈ ماسٹر مشن سکول۔ بٹالہ میونسپلٹی کے پہلے غیر سرکاری پریزیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں۔ جہاں اتنے غیر مسیحی لائق اور فائق موجود ہوں وہاں ایک مسیحی کا پریزیڈنٹ چُنا جانا جناب کی اعلےٰ شخصیت۔ علمیت اور ہر دلعزیزی کا بڑا بھاری ثبوت اور مسیحی قوم کی عزت افزائی کا باعث ہے۔ جس خوش اسلوبی اور خوش انتظامی سے آپ نے مشن سکول بٹالے کو چلایا اور رونق بخشی ہے۔ اس کا پنجاب معترف ہے۔ ہم صاحب موصوف کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی منصف مزاجی سے ہماری قوم کا بہت نام روشن کرینگے۔ اور مسیحی اور مسیحیوں کو نہ بھولیں گے۔

(۳)۔ این۔ ایم۔ ایس کے حامیاں کو عموماً اور لاہور کے مسیحیوں کو خصوصاً مژدہ ہے۔ کہ جناب پادری ایس۔ این طالب الدین صاحب طالب۔ بی۔ اے۔ خلف جناب پادری طالب صاحب مرحوم این۔ ایم۔ ایس کے اورگن آئیزنگ سیکرٹری پنجاب کے لئے مقرر ہو کر لاہور میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اور آپ نے آتے ہی وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں ایک پر اثر تقریر فرما کر سبکو اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دے دیا ہے۔ اور لاہور کے مسیحی شرفا نے جناب کے خیر مقدم پر ایک ایٹ ہوم بروز ہفتہ ۱۷ رمئی ۱۹۲۴ء دیا ہے۔ ہمیں امید قوی ہے کہ آپ این۔ ایم۔ ایس کے

تن لاغر میں نئی روح پھونک دیگے ۔ع ۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شادی

(۴)۔ فیروزپور کے صاحب سیکرٹری میونسپل کمیٹی مسٹر ہربرٹ مترصاحب کی دو صاحبزادیوں کی شادی خانہ آبادی شہر فیروزپور میں ہوئی ہے۔

آپ کی ایک دختر فرخندہ اختر اسی نڈ مترکی شادی مسٹر ایلفرڈ لازرس صاحب منصف کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور دوسری میوس مترکی مسٹر نسنٹ آڈو صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے۔ دونوں مسیحی نوجوان بڑے شریف اور تعلیمیافتہ ہیں۔ اور بڑے سرکاری عہدوں پر ممتاز ہیں۔ مسیحی کی طرف سے ہردو صاحبان اور مسٹر مترصاحب کو صد بار مبارکباد۔

واپسی پر مسٹر اور مسز آڈو کے مکان واقع گولڈنگ روڈ پر جلسہ کیا گیا اور شہر کے بڑے معزز اصحاب مسیحی اور غیر مسیحی شامل ہوئے۔ مثلاً سر نرندر ناتھ صاحب۔ رائے بہادر مسٹر پی۔ این دت صاحب۔ دی آنریبل میاں فضل حسین صاحب وزیر گورنمنٹ پنجاب۔ رائے بہادر لالہ امر ناتھ صاحب ایم۔ ایل۔ اے مسٹر ٹیپ صاحب ڈسٹرکٹ اینڈ سشنز جج و دیگر نامور اصحاب۔ مہمانوں کی بڑی آؤبھگت کی گئی۔ سب سامان نہایت اعلےٰ تھا۔ دعا ہے کہ خدا دونوں جوڑوں کو سلامت باکرامت رکھے +

(۵) انٹرنس کے امتحان کا نتیجہ بتاریخ ۱۵ مئی کو نکلا اور خوشی کی بات ہے کہ مسیحی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے خوب محنت اور ذہانت کی داد دی +

(۱) سی بی سکول لدھیانے سے ۱۳ میں سے ۹ بیرنگ سکول بٹالہ سے ۱۲ میں سے ۹ کامیاب ہوئے ہیں۔ کنیرڈ سکول کی مسیحی لڑکیوں نے تو کمال ہی کردیا۔ ایک سے ۹ پاس ہر سکول کو مبارکباد خصوصًا اور کل مسیحی کامیاب لڑکے اور لڑکیوں کو عمومًا مبارکباد ذیل شدہ ہمت نہ ہاریں۔

۲۔ امتحان بی۔ٹی میں مس روبی ایچ داس ڈی مسٹر اوجاگر سنگھ مسٹر ایلیک جگر انداس اور مسٹر آئیون جیکب ایڈیٹر رسالہ نورافشاں کامیاب ہوئے ہیں۔ مبارک +

زمین ! زمین !! زمین !!!

مسیحیوں کے لئے زمین

منٹگمری بار میں ایک مسیحی بستی کا خواب

ناظرین کو ضرور معلوم ہوگا کہ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کچھ عرصے سے گورنمنٹ عالیہ پنجاب سے خط و کتابت کر رہی ہے تاکہ عیسائیوں کو مربعجات اراضی مجموعی طور پر منٹگمری بار میں دیئے جائیں اور ایک مسیحی کالونی وہاں بسائی جائے۔

بدیں غرض ۱۷ مئی ۱۹۲۴ کو مسٹر کے ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ کانفرنس۔ پادری ورسس جونز صاحب سکرٹری سی ایم ایس مشن۔ پادری ایس۔ این طالب الدین۔ بی۔ اے۔ مسٹر ایف۔ جی والرث اور پروفیسر سراج الدین صاحب بی۔ اے۔ ایک ڈیپوٹیشن یعنی وفد بن کر جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع منٹگمری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صاحب بہادر اُنسے بڑے تپاک سے ملے اور مسیحیوں کو مربعے دیئے جانے کی تجویز کو بغور سنا اور اظہار ہمدردی کیا۔ دو چار روز میں لاہور میں ایک بڑا جلسہ ہونے والا ہے جسمیں مسیحیوں کو زمین ملنے کے متعلق تجاویز سوچی جائینگی۔ سب مسیحیوں سے التماس ہے کہ خداوند تعالےٰ کی درگاہ میں اس تجویز کی کامیابی کے لئے صدق دل سے دعا کریں تاکہ اپنی قوم کی بہبودی اور بہتری ہو۔ اس تحریک کے متعلق جو تجاویز اور کاروائی یہاں ہو رہی ہیں انکا پورا پورا حال پرچہ مسیحی بابت ماہ جولائی میں ناظرین کی آگاہی اور دلچسپی کیلئے درج کیا جائیگا

کرسچن میوچوآل پراویڈنٹ فنڈ لمیٹڈ لاہور

یہ بیمہ فنڈ مسیحیوں کیلئے خاص ہے جسمیں ہر قوم و ملت و فرقہ و کلیسیا کے مسیحیوں کا بیمہ کیا جاتا ہے منافعہ کے مالک بھی ممبران فنڈ ہی ہیں صابقہ و طیبوالیشن (اندازہ مالیت) پانچ سال ہیں فنڈ کو ہزار روپیہ کا منافعہ ہوا۔ اخراجات بہت کم رکھے گئے ہیں حتیٰ کہ ڈائرکٹران فنڈ بلا معاوضہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بیواؤں یتیموں کیلئے پنشن بچوں کیلئے تعلیمی وظائف بڑھاپے کیلئے پنشن کم حیثیت اشخاص کیلئے چار آنے ماہوار تک بیمہ کیا جاتا ہے۔ مقوم چندہ مقابلتاً کم رکھی گئی ہیں۔ ڈھائی لاکھ روپیہ پنشنوں اور قومی حرجی میں ادا کیا جاچکا ہے اس فنڈ کا تقریباً تین لاکھ کا سرمایہ سرکار کے پاس جمع ہے۔ ہر شہر اور قصبے میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے مفصل حالات کیلئے ذیل پتہ پر تحریر فرمائیے

سکرٹری کرسچن میوچوآل پراویڈنٹ فنڈ لمیٹڈ لاہور —